نہی عن المنکر کی اہمیت، مدارج اور اطلاقی مناہج کا تحقیقی جائزہ

عنبرین علی*

منزہ حیات**

Abstract

The Islamic doctrine to command right and forbid wrong is an important and central principle that could not be ignored. Because it has strong Socio-Political implications and consequences. It is an individual and communal duty of a Muslim to stop people from doing wrong. The three modes of forbidding wrong with hand, tongue or minimum at heart as narrated in *Ḥadīth* implies that every situation demands different forms of actions for *Nahī-an-al-munkar*. Mulsim scholar's have discussed the stages of forbidding wrong with emphasis on knowledge of whole situations value of privacy, along with issues of specialization, competance and stability. This indicates that its implementation by force is not required in every situation by an individual because its wrong implementation can result in breach of privacy and rebellion against state. Therefore its understanding is important. This paper mainly describes the importance stages and ways of implimentatons of *Nahī-an-al-munkar*.

Keywords: *Nahī-an-al-munkar* (Forbidding wrong), Importance, Stages, Implementation.

اسلام دین فطرت ہے اور قرآن حکیم انسانیت کے لیے ابدی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی اور اصلاح کیلیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ ان سب کا مقصد انسان کی اصلاح و فلاح تھا۔ نبی آخری الزماں حضرت محمد ﷺ کو ایک مکمل دین عطا کیا گیا جس کا پیغام دینوی و روحانی فلاح کا ضامن ہے اور تمام سابقہ ادیان کے علوم و معارف اور ثمرات و نتائج کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ''[1]

---

* ریسرچ آفیسر، اسلامک ریسرچ سنٹر، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

[1] التوبۃ:۹: ۳۳

"وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاءؑ کی بعثت کی غرض وغایت اقامت دین بیان فرمائی ہے اور اسی مقصد کیلیے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔ اقامت دین ایک عظیم فریضہ ہے اس فریضہ کی انجام دہی کی شرح کے لیے حضور ﷺ کے امتیازی وصف کو بیان کیا گیا۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ"[2]

"(محمد ﷺ) ان (لوگوں) کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان کے لیے حرام ٹھہراتے ہیں۔"اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اقامت دین کے دو پہلو ہیں:

۱۔ ایجابی یعنی امر بالمعروف (نیکیوں کا حکم)

۲۔ سلبی یعنی نہی عن المنکر (برائیوں کا سدباب)

ان دونوں پہلوؤں پر بیک وقت جدوجہد سے ہی اقامت دین کا فریضہ انجام دیا جا سکتا ہے۔ ہر وہ کام جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا "معروف" ہے یہ ان تمام احکامات خداوندی اور تعلیمات بنوی ﷺ پر محیط ہے جن کا تعلق اخلاق و معاشرت، تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت، دستور و قانون، عدالت و ثقافت اور مذہب و سیاست سے ہے اسی لیے امر بالمعروف زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا نام ہے۔ اسی طرح "منکر" کا اطلاق ہر اس طرز عمل اور انداز فکر پر ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ناپسند فرمایا اور جس سے اجتناب کا حکم دیا۔ اس لیے "نہی عن المنکر" زندگی کے تمام شعبوں سے برائی کو دور کرنے سے عبارت ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے۔ نہی عن المنکر کے مدارج و مناہج کے حوالے سے مفکرین کے ہاں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں ان تعبیرات دکھائی دیتی ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں مختلف مناظر دکھائی دیتے ہیں بزور قوت و طاقت منکر کو رفع و دفع کرنا، کس

[2] الاعراف:۷:۱۵۷

حد تک یہ امر شریعت اسلامیہ کی رو سے جائز ہے۔ مگر اس کی شرائط و حدود کا ادراک ضروری ہے تاکہ شر و فساد کے عناصر سے بچا جا سکے۔

نہی عن المنکر کا مفہوم:

امام راغب نے معروف و منکر کی تعریف یوں بیان کی ہے:

''المعروف اسمہ لکل فعل یعرف با لعقل او الشرع حسنہ والمنکر ما ینکر بھما''[3]

''معروف ہر اس عمل کا نام ہے جس کی خوبی عقل سے معلوم کی جائے یا شریعت جسے اچھا کہے اور منکر وہ ہے جسے شریعت و عقل ناپسند کرتے ہوں۔''

''المنکر کل فعل تحکم العقول الصحیحة بقبحة او تتوقف فی استقباحہ واستحسانہ العقول فتحکم بقبحة الشریعة''[4]

''منکر وہ ہے جسے عقل صحیح برا کہے یا جس کے اچھا یا برا ہونے کا عقل فیصلہ نہ کر سکے اور شریعت اس کی قباحت کا فیصلہ کر دے۔''

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں :

''والمتباد من المعروف الطاعت ومن المنکر المعاصی التی انکرھا الشرع''[5]

''بظاہر معروف میں تمام اطاعتیں شامل ہیں اور منکر سے وہ سب معصیتیں مراد ہیں جن سے شریعت نے منع کیا۔''

ملا علی قاری بیان کرتے ہیں :

''المنکر ما انکرہ الشرع وکرھہ ولم یرض بہ''[6]

''منکر وہ چیز ہے جس سے شریعت منع کرے جو اسے ناپسند ہو اور اس سے وہ خوش نہ ہو۔''

---

[3] راغب اصفہانی، حسین بن محمد، **المفردات فی غریب القرآن**، (مصر: المطبعة الیمینہ، ۱۳۲۷ھ)، ۲: ۱۲۹

[4] ایضاً، ۲: ۵۱۶

[5] آلوسی، شہاب الدین، **روح المعانی**، (مصر: ادارة الطباعة المنیریہ، س ن)، ۴: ۲۸

[6] ملا علی قاری، علی بن سلطان، **المبین المعین لفھم الاربعین**، (بیروت: دار الفکر)، ۱۸۸

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''یدخل فی المعروف کل واجب وفی المنکر کل قبیح والقبائح ھی السئیات وھی المخطورات کالشرك والکذب والظلم والفواحش''[7]

"معروف میں ہر واجب اور منکر میں ہر قبیح چیز داخل ہے قبیح چیزوں سے مراد برائیاں ہیں یعنی وہ باتیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے مثال کے طور پر شرک، جھوٹ، ظلم اور تمام بے حیائی کے کام"

انسان قانون کا محتاج ہے اور قانون دینے کا حق صرف ذات باری تعالیٰ کو حاصل ہے۔ خدا کا بنایا ہوا قانون معروف ہے اور جو خدا کے قانون سے ٹکرائے وہ منکر ہے۔

ابو حیان اندلسی کے مطابق:

''فسر بعضھم المعروف بالتوحید والمنکر بالکفر ولا شك ان التوحید راس المعروف والکفر راس المنکر ولکن الظاہر العموم فی کل معروف مامور بہ فی الشرع وفی کل منھی نہی عنہ فی الشرع''[8]

"بعض لوگوں نے معروف کی تفسیر توحید سے اور منکر کی تفسیر کفر سے کی ہے بلا شبہ توحید سب سے بڑا معروف اور کفر سب سے بڑا منکر ہے لیکن واضح بات یہ ہے کہ ان لفظوں میں عموم ہے۔ معروف سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور منکر میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔"

اسی طرح خدا کے دین سے انحراف وبغاوت ہی منکر نہیں ہے بلکہ یہ بھی منکر ہے کہ اس کے دین کو بدل دیا جائے اور اس میں اپنی طرف سے کچھ شامل کیا جائے یا کسی چیز کو غیر ضروری قرار دیا جائے اور اپنی خواہشات کی پیروی میں دین میں کمی بیشی کی جائے۔ معروف کی اتباع کی جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے دین کو کل کے طور پر قبول کیا جائے اور اسے اپنے اندر اور باہر غالب کرنے کی کوشش کی جائے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''الامر والنھی من لوازم۔۔۔۔۔ ذالك دینا کان دینا متبدعا''[9]

---

[7] ابن تیمیہ، **العقیدہ اصفہانیہ**، (مصر: المطبعۃ العامرہ، ۱۳۲۳ھ)، ۱۲۱

[8] ابو حیان اندلسی، محمد بن یوسف، **البحر المحیط**، (مصر: مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۲۸ھ)، ۳: ۲۱، ۲۰

[9] ابن تیمیہ، تقی الدین، **الحسبہ فی الاسلام**، مترجم طفیل ضیغم انصاری، (لاہور: علمی کتب خانہ)، ۸۷

"حکم دینا اور منع کرنا انسانی زندگی کے لیے ایک ناگزیر شے ہے۔ اب جو شخص اس معروف کا حکم نہ دے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اور منکر سے منع نہ کرے جس سے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے یا خود اسے اس معروف کا حکم نہ دیا جائے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے یا اس منکر سے منع نہ کیا جائے جس سے کہ اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے تو اس کے لازمی معنی یہ ہیں کہ وہ جو کچھ حکم دے گا اور جس چیز سے منع کرے گا اور جس بات کا سے حکم دیا جائے گا اور جس چیز سے اسے روکا جائے گا وہ یا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کا الٹا ہو گا یا پھر اس میں خدا کے نازل کردہ حق کے ساتھ وہ باطل بھی شامل ہو گا جسے اللہ نے نازل نہیں کیا ہے اور جب وہ اس طریقے کو دین کی حیثیت سے اختیار کر لے گا تو وہ ایک خود ساختہ دین ہو گا۔

علماء کرام کی آراء سے یہ بخوبی معلوم ہو رہا ہے کہ معروف و منکر شرعی اصطلاحات ہیں اور معروف و منکر کا فیصلہ صرف شریعت کے اصولوں کے مطابق ہو گا۔ یہ محض ایک اخلاقی اصطلاح نہیں بلکہ یہ ایک وسیع و جامع اصطلاح ہے۔ انسانوں کی رائے دور اور حالات کے مطابق بدلتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت کے دانشور کسی عمل کو معروف گردانیں اور وہ شریعت کے مطابق منکر ہو یا کوئی عمل ان کے لیے منکر ہو مگر شریعت اسے معروف شمار کرے۔ اس لیے معروف و منکر کا فیصلہ ہمیشہ شریعت سے ہو گا۔

نہی عن المنکر ضرورت واہمیت:

قرآن و سنت کی نظر میں دنیا کا کوئی بھی گروہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کا ہر فرد برائیوں سے پاک اور اصلاح و تقویٰ کے اونچے معیار پر ہو۔ ہر جماعت میں اچھے اور برے دونوں طرح کے انسان ہوتے ہیں۔ جماعت کے نیک اور صالح افراد کا فرض ہے کہ معاشرے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ بروں کی اصلاح کریں اور ان کو راہ راست پر لے کر چلیں۔ اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو برائی عام ہو گی اور پوری قوم کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔ کسی قوم میں خیر کو پھیلانے اور شر کو مٹانے والے افراد اس کا جوہر حیات ہوتے ہیں۔ جب وہ خاموش ہو جاتے ہیں تو قوم اپنی زندگی کھو دیتی ہے۔

قوموں کے عروج کا زمانہ وہ ہوتا ہے جب کہ وہ اپنی اجتماعی زندگی سے برائیوں کو مستقل دور کرتی اور اپنی اخلاقی قوت میں ہر دن افسانہ کرتی رہتی ہے۔ جس جماعت میں اچھوں کی تعداد بروں سے زیادہ ہو خدا تعالیٰ اسے زمین پر باقی رکھتا ہے اور اس کے لیے ترقی کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ لیکن اگر بُروں کی تعداد اچھوں کی تعداد پر غالب آجائے

اور زندگی کے ہر شعبے میں بدی پھیل جائے تو خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ قوم زوال کی طرف بڑھنے لگتی ہے اور بحیثیت ایک قوم دھیرے دھیرے ختم ہو جاتی ہے۔

انسان ایک متمدن ہستی ہے۔ وہ جماعت سے الگ زندگی بسر کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی بھلائی اور برائی سب اجتماعی ہے۔ اگر جماعت بری ہو گی تو اس کی برائی سے وہ بھی نہ بچ سکے گا۔ اگر ایک شہر میں عمومی طور پر غلاظت پھیلی ہوئی ہو تو اس سے ضرور کوئی وبا پھوٹ پڑے گی اور یہ وبائی ہوا صرف اس شخص کو ہلاک نہ کرے گی جس نے غلاظت اپنے گھر و اطراف میں پھیلائی بلکہ ایک صاف ستھرا اور صفائی پسند انسان بھی اس سے متاثر ہو گا جو اس شہر میں رہتا ہو گا۔ اسی طرح اگر معاشرے کا عمومی اخلاق و تمدن بگڑا ہوا ہو اور وہاں بدکاری پھیلی ہوئی ہو تو اس پر جو تباہی نازل ہو گی وہ بدکاروں تک محدود نہ رہے گی بلکہ نیکوکار بھی اس کی زد سے نہ بچ پائیں گے۔ اور تباہی و بربادی اس قوم کا مقدر بن جائے گی اسی حقیقت کی قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

''واتقو فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة''[10]

"اس فتنے سے دور جو مخصوص طور پر تم میں سے صرف ان ہی لوگوں کو لاحق نہیں ہو گا جنہوں نے ظلم کیا ہے (بلکہ وہ تمام ہو گا اور اس کی زد میں سب ہی آجائیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس مضمون کو ایک حدیث میں وضاحت کے ساتھ فرمایا:

''ان الله لا يعذب العامة بعمل الخاصة حتى يروا المنكر بين ظهرانيهم وهم قادرون على ان ينكروه فلا ينكروه فاذ فعلوا ذلك عذاب الله الخاصة والعامة''[11]

"اللہ عام لوگوں پر خاص لوگوں کے عمل کے باعث اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتا جب تک ان میں یہ عیب پیدا نہ ہو جائے کہ اپنے سامنے برے اعمال ہو کے دیکھیں اور انہیں روکنے کی قدرت رکھتے ہوں مگر نہ روکیں۔ جب وہ ایسا کرنے لگتے ہیں تو پھر اللہ عام و خاص سب پر عذاب نازل کرتا ہے۔"

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب قوموں پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے تو بروں کے ساتھ اچھوں کو بھی پیس کر رکھ دیتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[10] الانفال ۸: ۲۵

[11] احمد بن حنبل، **مسند للامام احمد**، (مصر: المطبعۃ الیمینۃ، ۱۳۱۳ھ)، ۴: ۱۹۲

''ما من قوم يعمل فيهم بالمعاصي ثم يقدرون على ان يغيروا ثم لم يغيروا الا يوشك ان يعمهم الله منه بعقاب''[12]

''جس کسی قوم میں خدا کی نافرمانی ہوتی رہے۔ اور اس میں ایسے لوگ موجود ہوں جو اس کو بدل سکتے ہوں اور پھر وہ نہ بدلیں تو بہت جلد اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب عام بھیجے گا۔''

اسی طرح نبی ﷺ سے زینبؓ بنت جحش نے پوچھا: ''ایهلك وفينا الصلحون''؟ ''کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جب کہ ہمارے اندر نیک لوگ بھی موجود ہوں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:

''نعمه اذا اكثر الخبث''[13]

''ہاں جبکہ بدی بہت بڑھ جائے گی۔''

اور بدی اُس وقت بڑھتی ہے جب ''نہی عن المنکر'' کا فریضہ انجام نہ دیا جائے۔ اور خدا کا عذاب اُن لوگوں پر آتا ہے جو منکرات میں مبتلا ہوں یا ان لوگوں پر جو ان منکرات کو مٹانے کی طاقت رکھنے کے باوجود ان کے سدِباب کو کوشش نہ کر رہے ہوں۔

اصحابِ سبت پر عذابِ الٰہی کا نزول:

اصحاب سبت پر عذاب الٰہی کا نزول اس کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے سبت یعنی ہفتہ کے دن کو مقدس قرار دیا تھا۔ ان کو حکم تھا کہ وہ اس دن کو خدا کی عبادت کے لیے مخصوص کر دیں اور دنیوی کام نہ کریں لیکن ان کی ایک آبادی جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے لگی اور ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرنے لگی۔ قرآن پاک میں ان کے اس غلط رویہ پر آبادی کے ایک طبقے نے ناہیں نصیحت کی اور انہیں باز رکھنے کی کوشش کی ایک تیسرے طبقے نے ان مصلحین سے کہا:

''لم تعظون قوماً الله مهلكهم او معذبهم عذاباً شديداً''[14]

''تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے۔''

---

[12] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، **سنن ابی داود**، کتاب الملاحم، باب الامر والنھی، (ملتان: مکتبہ امدادیہ، ملتان)

[13] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الفتن، باب اویل للعرب من شر قد اقترب، (بیروت: دار الفکر)

[14] الاعراف ۷: ۱۶۴

ان نصیحت کرنے والوں کے پاس اس کا جواب یہ تھا کہ ہم یہ سب کچھ اس لیے کر رہے ہیں تا کہ:

''قالو معذرۃالٰی ربکم ولعلھم یتقون''[15]

''تمہارے رب کے حضور ہم معذرت پیش کر سکیں اور شاید لوگ اپنے غلط رویے سے باز آجائیں۔''

اس طرح یہ آبادی تین طبقوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک گروہ نے خدا کے حکم کی صریح نافرمانی کی اور حرمتِ سبت کی پامالی کے مرتکب ہوئے۔ دوسرے گروہ نے اس کو نصیحت کی اور اس کو روکنے کی کوشش کی۔ تیسرے گروہ نے نہ تو خدا کے حکم کی نافرمانی کی نہ اس گروہ کو خدا کی نافرمانی سے باز رکھنے کی کوشش کی جبکہ انہیں برائی کا ادراک بھی تھا اور اس کی روک تھام پر قدرت بھی رکھتے تھے۔ قرآن ان تین گروہوں کے ذِکر کے بعد کہتا ہے:

''فلما نسوا ما ذکروا بہ انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب لبئس بما کانوا یفسقون فلما عتوا عن ما نھو عنہ قلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین''[16]

''پس جب وہ ان باتوں کو فراموش کر گئے جن کی انہیں نصحیت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو انہیں برائی سے روکتے تھے اور ظلم کرنے والوں کو اُن کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب میں پکڑ لیا۔ پس جب وہ اس جرم میں حد سے بڑھ گئے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا ہو جاؤ بندر ذلیل و خوار۔''

ان آیات سے صراحتاً ظاہر ہوتا ہے کہ ایک گروہ جس نے خدا کی نافرمانی کی وہ عذاب میں گرفتار ہوا اور اُن کے ساتھ ساتھ وہ بھی تباہ ہوئے جنہوں نے اُن کی اصلاح نہ کی جبکہ جس گروہ نے نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا وہ اس عذاب سے محفوظ رہے۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے کسی قوم پر جب عذاب آتا ہے تو وہ لوگ اس سے مامون رہتے ہیں جو اس میں نہی عن المنکر کا فرض رضائے الٰہیٰ کے لیے انجام دیتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیات اجتماعی میں عذاب الٰہی سے نجات کا واحد طریقہ نہی عن المنکر ہے۔ اور اس پر ہی اجتماعی فلاح و بہبود کا دارومدار ہے۔ جو ایک قوم اور ایک جماعت کو ہلاکت سے بچاتی ہے۔ اور اس کے بغیر انسانیت کی حفاظت نہیں کی جاسکتی۔ جب تک ایک قوم میں ایک دوسرے کی اصلاح کا جذبہ موجود رہتا ہے تو وہ قوم بگاڑ سے دوچار نہیں ہوتی اور تباہی سے محفوظ رہتی ہے۔

[15] الاعراف ۷: ۱۶۴

[16] الاعراف ۷: ۱۶۵

اور اگر کسی قوم میں مصلحین کی کوئی جماعت بھی نہ رہے تو رفتہ رفتہ بدی کا شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ اخلاقی و روحانی اور مادی تباہی کے گڑھے میں گر جاتی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم یوں بیان فرماتا ہے:

''فلولا کان من القرون من قبلکم اولوا بقیة ینھون عن الفساد فی الارض الا قلیلاً ممن انجینا منھم فا تبع الذین ظلموا ما اترفوا فیه وکانوا مجرمین ○ وما کانوا ربك لیھلك القُرای بظلمٍ و اھلُھا مصلحون''[17]

''پس کیوں نہ تم سے پہلے کی قوموں میں (جن پر عذاب نازل ہوا) ایسے نیکوکار لوگ اٹھے۔ جو انہیں زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے؟ ایسے لوگ بہت تھوڑے تھے جنہیں ہم نے ان میں سے بچالیا ورنہ سارے ہی ظالم لوگ ان لذتوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انہیں عطا کیے گئے تھے اور وہ بڑے خطاکار تھے۔ سو تراارب ظالم نہیں ہے کہ بستیوں کو اپنی ہلاک کر دے حالانکہ ان کے باشندے نیکوکار ہوں۔''

اس لیے دنیا میں ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیے جو بدکاروں کا ہاتھ پکڑنے والا ہو، بدی کو روکنے ولا ہو، شر رات کے عناصر کو قابو میں رکھے اور بدی کو پنپنے کا موقع نہ دے۔ اللہ کی مخلوق کو عام تباہی سے بچانے اور اس زمین کو شر و فساد اور ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھنے کے لیے ایسے گروہ کا وجود نہایت ضروری ہے۔

علماء و مصلحین کی ذمہ داری:

نہی عن المنکر کی اسی اہمیت کے پیش نظر علماء اور صالحین کی جماعت کو اس فریضہ کو ہر حال میں انجام دینا چاہیے کیونکہ اگر ان کے اندر اصلاح کی تڑپ نہیں اور وہ بگڑتی ہوئی صورتحال کو بدلنے کے لیے بے چین نہیں تو ان کا ایمان خطرے میں ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

''ما من نبی بعثه من الایمان حبة خردل''[18]

---

[17] ہود ۱۱: ۱۱۶

[18] مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، **کتاب الایمان**، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۵ء)

"مجھ سے پہلے اللہ تعالی نے جس نبی کو بھی کسی امت میں مبعوث فرمایا تھا اس کی امت میں اس کے ایسے مدد گار اور ساتھی ضرور ہیں جو اس کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرتے اور اس کے احکام کی اتباع کرتے پھر ان کے بعد ایسے بر جانشین پیدا ہوتے جو باتیں کرتے وہ خود عمل نہ کرتے اور وہ کام کرتے جن کا ان کو حکم نہیں ملا ہوتا۔ پس جس نے ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان سے زبان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے اپنے دل سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے لیکن اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔"

ایمان خطرے میں اس لے پڑ جاتا ہے کیونکہ بگڑے ہوئے ماحول میں نیک سے نیک آدمی کے بھی راہ راست سے ہٹ جانے کا خطرہ ہو جاتا ہے جبکہ دوسروں کی اصلاح سے اپنی اصلاح مسلسل ہوئی دیتی ہے۔ اور بسا اقات انسان یہ دیکھ کر اصلاح کی کوشش چھوڑ دیتا ہے کہ اس کی بات نہیں سنی جاتی اور اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا حالانکہ اس میں اس کا ذاتی نقصان بھی ہوتا ہے۔ جب وہ نہی عن المنکر چھوڑ دیتا ہے تو اس کے دل میں برائی کے خلاف نفرت آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے اور پھر وہ ان برائیوں سے مانوس ہونے لگتا ہے حتی کہ ایک روز خود ہی ان برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی قوم میں جب زوال آتا ہے تو درجہ بدرجہ آتا ہے۔ کوئی آدمی زینے پر چڑھتا ہے تو ایک ایک سیڑھی کر کے چڑھتا ہے اور نیچے اترتا ہے تب بھی درجہ بدرجہ اترتا ہے۔ اسی طرح گراوٹ بھی ایک دم سے نہیں آتی بڑے بڑے بند جب ٹوٹتے ہیں تو شروع میں چھوٹا سا سوراخ ہوتا ہے اور پھر یہ شگاف بڑھتا جاتا ہے۔ اسی طرح نہی عن المنکر سے کوتاہی قوموں کو برباد کر دیتی ہے۔ جیسا کہ نہی عن المنکر چھوڑنے سے بنی اسرائیل کے نیک لوگ بگڑ گئے۔

علماء یہود اور بنی اسرائیل کی مثال:

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں جب برائیاں پھیلنے لگیں تو ابتداء میں نیک لوگ ان برائیوں پر ٹوکتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا۔ ان کی یہ نکیر کارگر نہیں ہو رہی تو انہوں نے خاموشی اختیار کر لی اور پھر یہ بھی ہوا کہ ان بروں کے ساتھ میل جول رکھنے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ برائی سے نفرت جو کہ مومن کا سرمایہ ہوتی ہے ان کے دلوں سے ختم ہو گئی جب یہ حالت ہوئی تو اللہ تعالی کی نظر عنایت ان سے پھر گئی اور وہ لعنت کے مستحق قرار پائے۔

سنن ابو داؤد کی روایت ہے:

''قال رسول الله ﷺ ما دخل النقص علی بنی اسرائیل کان الرجل یلقی الرجل فیقول یا هذا اتق الله ودع ما تصنع فا نه لا یحل لك ثم یلقاه من الغد فلا یمنعه ذالك ان یکون اکلیه

وشربیه وقعیده فلما فعلوا ذالك ضرب الله قلوب بعضهم علی بعض ثم قال " لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد عیسی ابن مریم ذلك بما عصوا وکانوا یعتدون"[19]

رسول ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں نقص کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے (جو مرتکب جرم ہوتا) ملاقات کرتا اور اسے سمجھاتا کہ اے اللہ کے بندے خدا سے ڈر اور اپنے اس غلط کام کو چھوڑ دے کیونکہ یہ تیرے لیے جائز نہیں ہے (لیکن اس کی نصیحت کا کوئی فرق ظاہر نہ ہوتا) اب یہ ناصح اس سے دوسرے دن ملتا تو اس کی معصیت کاری اسے اس چیز سے نہ روکتی کہ وہ اس وہ اس کا ہم پیالہ و ہم نوالہ و ہم نشین بن جائے جب یہ حال ہوا تو اللہ نے سب کے دل ایک سے کر دیے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی کہ "بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کر دی گئی اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے رہے۔"

ان آیات کی تلاوت کے بعد پھر رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کلا والله لتا مرون با لمعروف ولتنهون عن المنکر ولتا خذن علی ید الظالم ولتا طرنه علی الحق اطرا ولتقصر نه علی الحق قصرا او یضربن الله بقلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعنکم کما لعن"[120]

"ہرگز نہیں، خدا کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور تمہیں لازماً برائی سے روکنا ہوگا اور تمہیں لازماً ظالم کے ہاتھ کو قوت سے پکڑ لینا ہوگا اور تمہیں لازماً اس کو حق کی طرف جبراً موڑنا ہوگا اور اسے حق پر قائم رکھنا ہوگا یا پھر اللہ تمارے دل بھی ایک دوسرے کے مشابہ کر دے گا پھر اللہ تعالی تم پر بھی لعنت فرمائے گا جیسے ان (یہود) پر لعنت فرمائی۔"

سورۃ المائدہ کی آیات میں بھی علماء یہود پر قرآن پاک کی تنقید واضح ہے اور نبی اسرائیل کے علماء کی سخت مذمت کی گئی ہے کہ اللہ نے ان کو اصلاً امت کا اونچا مقام دیا مگر وہ اپنی ذمہ داری سے غافل رہے عوام میں حرام و حلال کی تمیز ختم ہو گئی، ظلم و زیادتی کا دور دورہ تھا اور گناہوں کی کثرت تھی انہوں نے اس صورت حال کو بدلنے اور اصلاح کی کوشش کو ترک کر دیا اور راہ راست سے ہٹ گئے۔

---

[19] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، **کتاب الملاحم**، باب الامر والنھی

[20] ایضاً،

''وترٰی کثیراً منھم یسارعون فی الاثم والعدوان واکلھم السحت ط لبئس ما کانوا یعملونO لو لا ینعھھم الربینیون والاحبارُ عن قولھم الاثم وا کلھم السحت ط لبئس ما کانوا یصنعون''[21]

''اور تم ان میں سے بہت کثیر تعداد کو دیکھو گے کہ وہ گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں اور حرام مال کھانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جارہے ہیں یقیناً بہت بُرا ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ ان کو ان کے مشائخ اور علماء جھوٹ بولنے اور مال حرام کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے یقیناً بہت بُری روش ہے جو وہ اختیار لیے ہوئے ہیں۔''

قرآن پاک میں ان آیات میں علماء بنی اسرائیل پر جو تنقید کی ہے۔ اس میں امت مسلمہ اور خاص اہل علم کے لیے بڑی عبرت وبڑا سبق ہے۔ اس میں ان کو بتایا گیا ہے کہ وہ بھی خدا کی اس ملامت وعتاب کا نشانہ ہونگے اگر وہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہورہے اور اصلاح امت کا کام ترک کر دیا۔ اس وجہ سے حق پرست علماء نے اس آیت کو ہمیشہ اپنے حق میں زبردست تنبیہ سمجھا ہے۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں:

''کان العلماء یقولون ما فی القرآن 'ایۃ اشد توبیخا للعلماء من ھذہ الآیت ولا اخوف علیھم منھا''[22]

''علماء کہا کرتے تھے کہ قرآن میں کوئی بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں اصحاب علم کے لیے اس سے زیادہ سخت توبیخ ہو اور جو ان کے لیے اس سے زیادہ خوف کا باعث ہو۔''

قرآن نے منکر کا ارتکاب کرنے والوں اور منکر سے منع نہ کرے والوں دونوں کی مذمت کی ہے۔ مگر منکر تغییر نہ کرنے والوں کے لیے زیادہ سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ پہلے گروہ کے لیے یعلمون ہی کہا جب کہ دوسرے کے لیے یصنعون فرمایا ہے۔ جبکہ امام رازیؒ نے اسے ایک ہی درجے میں شمار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

---

[21] المائدہ۵: ۶۲۔۶۳

[22] طبری، محمد بن جریر، **جامع البیان فی تفسیر القرآن**، (مصر: المطبعۃ الیمنیہ، ۱۳۲۱ھ)، ۶: ۱۷۰

''ان الله تعالى استبعد من اهل الكتاب النهم ما نهوا اسفلتهم وعوا مهم عن المعاصى و ذالك يدل على ان تارك النهى عن المنكر بمنزلة مر تكبة لا نه تعالى ذم الغريقين فى هذا الاٰ ية على لفظ واحد''[23]

''اللہ نے علماء اہل کتاب سے یہ بات بعید قرار دی ہے کہ انہوں نے اپنے نیچے کے لوگوں اور عوام کو معاصی سے منع نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ منکر کو نہ روکنے والا بھی منکر کا ارتکاب کرنے والے ہی کے درجے میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دونوں گروہوں کے لیے ایک ہی قسم کے الفاظ میں مذمت کی ہے۔''

جبکہ صالحین امت کا یہ اولین فریضہ ہے ہ وہ برائی کو پنپنے نہ دیں بلکہ اسے جڑ سے کاٹنے کی کوشش کریں تاکہ معاشرہ میں فساد کو ابتداء ہی سے روکا جائے کیونکہ کاشتکار جب بے فائدہ جڑی بوٹیوں کو زمین میں اگتا دیکھتا ہے تو اسے کاٹنے کی کوش کرتا ہے۔ ابتدا میں اسے کاٹنا آسان ہوتا ہے لیکن جب وہ تناور درخت کی شکل اختیار جاتا ہے تو وہ نہ صرف زمین میں خرابی پیدا کر رہا ہوتا ہے بلکہ زمین زمین کی دوسری نباتات بھی اس کی ضرر رسانیوں سے محفوظ نہیں رہتی۔ اسی طرح اگر فساد کو پنپنے کا موقع دیا جائے تو باغیوں اور سرکشوں کی ایک ایسی جماعت بن جاتی ہے جس سے نبرد آزمائی مشکل ہوتی ہے۔ اس لیے علماء حق اور مصلحین امت کا فرض اولین ہے کہ جہاں وہ حقوق اللہ کی ترغیب دیں وہاں وہ فساق وفجار کو صراط مستقیم کی طرف گامزن کریں اور برائیوں کی مغلوب کریں تاکہ رضائے الٰہی حاصل ہو۔

نہی عن المنکر کے مدارج:

منکر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ منکر میں ہر ناپسندیدہ عمل شامل ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کسی مکلف سے صادر ہوا ہے یہ غیر مکلف سے اس طرح نہی عن المنکر کے سلسلے میں چھوٹے اور بڑے منکر کے درمیان بھی فرق نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر ایک منکر سے منع کیا جائے گا۔ زنا بہت بڑا منکر ہے اس کے مقابلے میں اجنبی عورت کو دیکھنا اور تنہائی میں اس سے بات چیت کرنا چھوٹا منکر ہے لیکن اس کے باوجود دونوں سے منع کرنا ضروری ہے۔ ہر منکر سے منع کرنا واجب ہے کیونکہ وہ تمام چیزیں جن کو شریعت نے ناپسند کیا ہے حرام ہیں۔

[23] رازی، فخر الدین، **مفاتیح الغیب**، (مصر: المطبعۃ العامرہ اشرفیہ، ۱۳۰۸ھ)، ۳: ۳۸

حدیث میں تغییر منکر کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں، تغییر بالید، تغییر باللسان اور تغییر بالقلب۔ تغییر بالقلب کے معنی ہیں دل سے منکر کو منکر سمجھنااور اس سے نفرت کرنا۔ یہ صورت آدمی اسی وقت اختیار کر سکتاہے جب کہ پہلی دونوں صورتیں اس کے امکان میں نہ ہوں۔ لیکن اگر وہ ہاتھ یا زبان سے منکر کے مٹانے کی طاقت رکھتاہے تو محض دل سے منکر کو منکر سمجھ کر تغییر منکر کے فرض سے سبک دوش نہیں ہو سکتا۔ علامہ قرطبی نے اس معاملے میں مسلمانوں کا اجماع نقل کیاہے کہ:

''اذا انکر بقلبه فقد ادی ما علیه اذا لم یستطع علیه سوی ذالك''[24]

"جب کوئی شخص اپنے دل سے انکار منکر کر دے تو اس نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی بشر طیکہ وہ اس سلسلے میں اس کے علاوہ کسی دوسری صورت کی طاقت نہ رکھتاہو۔"

حدیث میں تغییر منکر کے جو مراتب بیان ہوئے ہیں ان کے بارے میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

''من یغیر المراتب مع القدرة کان من العاصین و من ترکها بلا قدرة اویری مفسدة اکثر من المصلحة ویکون منکرا بقلبه فهو من المومنین''[25]

"جو شخص قدرت کے باوجود ان کی ترتیب بدل دے وہ گناہ گار ہو گا اور جو شخص عدم قدرت کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس کے نتیجہ میں وہ اصلاح سے زیادہ بگاڑ دیکھتاہے ان کو چھوڑ دے اور اپنے دل سے برائی کو ناپسند کرے تو اس کا شمار اہل ایمان میں ہو گا۔"

تغییر منکر واجب ہے ہر اس طریقہ سے جو انسان کے امکان میں ہے۔ پس وعظ و نصیحت اس شخص کے لیے کافی نہیں ہے جو منکر کو اپنے ہاتھ سے زائل کر سکتاہو۔ اسی طرح کراہت قلب ناکافی ہے اس شخص کے لیے جو زبان سے نہی عن المنکر کی طاقت رکھتاہو ایک مومن ایسے حالات سے دوچار ہو سکتاہے جن میں وہ نہ تو عملاً منکر کو مٹا سکے اور نہ اس کے خلاف اپنی زبان استعمال کر سکے۔ لیکن منکر سے نفرت تو ہر حال میں اس کے اندر ہونی چاہیے۔ تغییر منکر کا یہ بالکل آخری درجہ ہے اس کے بعد کوئی درجہ نہیں ہے۔ اگر کسی دل میں برائی سے نفرت اور بے زاری بھی نہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے ایمان کی حرارت ختم ہو گی۔

---

[24] قرطبی، محمد بن احمد الاندلسی، **الجامع الاحکام القرآن**، (القاہرہ: دارالکتب المصریہ، ۱۳۵۳ھ)، ۴: ۴۷

[25] ملا علی قاری، علی بن سلطان، **المبین المعین لفهم الاربعین**، ۱۸۹

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

''ولیس وراء ذالك من الایمان حبة خردل''[26]

''تغییر بالقلب بھی نہیں ہے تو اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔''

جو شخص بدی اور معصیت سے نفرت کرے گا اور یہ نفرت رسمی نہیں بلکہ حقیقی ہو گی تو وہ ان لوگوں سے دور بھی رہے گا جو اس میں آلودہ ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آدمی کے دل میں کسی کی روش کے خلاف شدید جذبات موجود ہوں اور اس کا اظہار تعلقات میں نہ ہونے پائے اس لیے تغییر بالقلب کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ صحبت بد سے دوری اختیار کی جائے علامہ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں:

''وسعه، السکوت عنهم بعد ان یجانبهم ویظهر هجرانهم''[27]

''اگر وہ تغییر منکر پر قادر نہیں ہے تو غلط کاروں سے دور رہنے اور اپنی دوری کا اظہار کرنے کے بعد اس کے لیے سکوت کی گنجائش ہے۔''

یہی نہیں بلکہ مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اگر وہ کسی منکر کے مٹانے پر قادر نہیں ہے تو اپنی اس بے بسی پر مطمئن نہ ہو جائے بلکہ اس کے دل میں یہ تمنا ہو کہ مجھے یہ طاقت حاصل ہو جائے اور یہ منکر میرے ہاتھوں ختم ہو۔ مجبور ہو کر منکر کو برداشت کرنے کا جذبہ ابھرے بلکہ سینے میں یہ عزم اور ارادہ جاگتا رہے کہ جب بھی اسے اس منکر کو مٹانے کی طاقت حاصل ہو گی وہ اس کو مٹا کے رہے گا۔

تغییر بالقلب میں علماء کرام کی آراء یہ ہیں:

''کرهه به ویعزم انه نو قدر فعل''

''منکر کو اپنے دل سے ناپسند کرے گا اور یہ عزم کرے گا کہ اگر وہ تغییر منکر پر قادر ہو گا تو ضروری اس کو مٹائے گا۔''

---

[26] مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، **کتاب الایمان**، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان

[27] ابو بکر جصاص، احمد بن علی، **احکام القرآن**، (مصر: طبعۃ القاہرہ، ۱۳۴۷ھ)، ۲: ۳۸

''بکرہ ذالك بہ ویعزم انہ لو قدر علیہ بقول او فعل ازالہ''[28]

''منکر کو اپنے دل سے ناپسند کرے گا اور یہ عزم کرے گا کہ اگر وہ زبان سے یا عمل سے تغییر منکر پر قادر ہوتا تو اس کو مٹا ہی دیتا۔''

نہی عن المنکر کے اطلاقی مناہج و مدارج:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دینے کے سلسلے میں ذرائع و وسائل اہم ہے۔ یعنی یہ کہ ایک ایسی سوسائٹی کے اندر جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کو مانتی اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے، معروف کے قائم کرنے اور منکر کے مٹانے کے لیے کن ذرائع کو اختیار کیا جا سکتا ہے اور کن ذرائع کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

امام غزالی نے اس پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ لیکن وہ ان ذرائع کو نہی عن المنکر کے مختلف درجات سے تعبیر کرتے ہیں:

امام غزالی لکھتے ہیں کہ احتساب کے حسب ذیل آٹھ درجات ہیں:

پہلا درجہ: احتساب کرنے والے کو اس بات کا علم ہو کہ فلاں شخص منکر کا ارتکاب کر رہا ہے لیکن، اس کے لیے تجسس کرنا اور کسی کی ٹوہ لگے رہنا صحیح نہیں ہے ہاں اگر کسی کو از خود اس کا علم ہو جائے تو وہ اس کے سلسلے میں اقدام کر سکتا ہے۔

دوسرا درجہ: بعض اوقات انسان منکر کو منکر نہیں تصور کرتا بلکہ معروف سمجھنے لگتا ہے اور اپنی اسی ناواقفیت کی وجہ سے ان کا ارتکاب بھی کر گزرتا ہے اگر اسے معلوم ہو جائے کہ جو کام وہ کر رہا ہے وہ خدا کے نزدیک ناپسندیدہ اور اس کے عتاب کا موجب ہے تو وہ یقیناً اس سے دست کش ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں اس کو یہ بتانا کافی ہے کہ اس کا عمل غلط ہے اور اسے اس سے باز رہنا چاہئے۔

تیسرا درجہ: اگر کوئی شخص منکر کو منکر سمجھنے کے باوجود اس کا ارتکاب کر رہا ہے یا معروف کو معروف سمجھنے کے باوجود اس کی مخالفت کر رہا ہے تو اسے خدا کا خوف دلایا جائے۔ آخرت کی باز پرس سے ڈرایا جائے اور بہترین

---

[28] عمری، سید جلال الدین، **معروف و منکر**، (کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈمی، س ن)، ۳۴۶

اسلوب میں اس کے سامنے سلف صالحین کی سیرت پیش کی جائے تاکہ وہ ان لوگوں کا اثر قبول کرے اور معصیت کا ارادہ ترک کر دے۔

چوتھا درجہ: اگر لطف و محبت سے سمجھانے اور نصیحت کے باوجود کوئی شخص منکر سے باز نہ آئے تو اسے سخت سست کہا جائے اور اس کی ملامت کی جائے لیکن اس میں اس بات کی احتیاط ہونی چاہیئے کہ بدزبانی اور گالم گلوچ نہ ہونے پائے۔

پانچواں درجہ: وعظ و نصیحت اور سخت کلامی کارگر نہ ہو تو منکر کو قوت سے مٹایا جائے۔ مثال کے طور پر گانے بجانے کا سامان توڑ دیا جائے یا کوئی مرد ریشم کا کپڑا پہنے ہوئے ہو تو اسے پھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ لیکن اس پر عمل ہر منکر کے سلسلے میں ممکن نہیں ہے۔ جن منکرات کا ابھی ذکر ہوا ہے وہ یا اس نوعیت کے دوسرے منکرات کو تو قوت سے مٹایا جاسکتا ہے۔ لیکن جن منکرات کا تعلق محض زبان یا دل سے ہے، یا جو منکر کا ارتکاب کرنے والے کی ذات تک محدود ہوتے ہیں ان کے سلسلے میں اس پر عمل ممکن نہیں ہے۔

چھٹا درجہ: منکر کا ارتکاب کرنے والے کو ڈرایا اور دھمکایا جائے لیکن اس میں یہ بات ملحوظ رہے کہ دھمکی ایسی نہ دی جائے جس پر عمل کرنا شرعاً حرام ہو۔ مثال کے طور پر یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ منکر سے باز آؤ ورنہ تمہارا سر توڑ دوں گا، لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ منکر سے باز آؤ ورنہ میں تمہارا گھر لوٹ لوں گا، یا تمہارے بچوں کو قتل کر دوں گا۔

ساتواں درجہ: منکر کا ارتکاب کرنے والے کو مارا پیٹا جائے اور اس کے خلاف ہتھیار نہ استعمال کئے جائیں۔ لیکن اگر ہتھیار اٹھائے جائیں تو ضرورت کی حد تک ان کو استعمال کیا جائے۔

آٹھواں درجہ: کوئی شخص تنہا منکر کے مٹانے پر قادر نہ ہو اور اس کے لیے دوسروں سے تعاون حاصل کرے۔ [29]

عمل بھی مذکورہ ترتیب ہی سے ہوگا۔ یعنی پہلے وعظ و نصیحت اور لطف و محبت سے اصلاح کا نفاذ ہوگا۔ جب تک پہلے ذریعہ کی عدم افادیت کا یقین نہ ہو جائے دوسرے ذریعہ کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید میں ہے:

''وان طائفتان من المؤمنين قتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احدهما على الاخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفي الى امر الله فاف ناءت فاصلحو بينهما بالعدل واقسطوا ان الله يحب المقسطين'' [30]

---

[29] غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، **احیاء علوم الدین**، (مصر: دار الکتب العربیہ الکبریٰ، ۱۳۳۴ھ)، ۲: ۲۸۹-۲۹۲

[30] الحجرت ۴۹: ۹

"اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسری پر زیادتی کرے تو تم سب مل کر اس جماعت سے لڑو جو زیادتی کرتی ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پس اگر وہ رجوع کرے تو تم ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر ان میں کے دو گروہ کسی وجہ سے آپ میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے، لیکن اگر کوئی فریق عدل و انصاف کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار نہ ہو تو مظلوم کی حمایت میں اس سے جنگ کی جائے۔ گویا پہلے سعی اصلاح کی ہدایت کی گئی ہے۔ اگر یہ کوشش بے کار ہو جائے تو قتال کا حکم ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے بالاتفاق یہ بات کہی ہے کہ اگر وعظ و نصیحت کے ذریعہ اصلاح ہو سکتی ہے تو طاقت کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

ہم چند علماء کی تصریحات یہاں پیش کرتے ہیں ابو بکر جصاص:

''امر الله تعالیٰ بالدعاء الی الحق قبل القتال ثم ان ابت الرجوع قوتلت''[31]

"اللہ تعالیٰ نے قتال سے پہلے حق کی طرف بلانے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد جو فریق حق کی طرف رجوع سے انکار کر دے اس سے جنگ کی جائے گی۔"

زمخشری کے بقول:

''یبتدی بالسهل فان لم ینفع ترق الی الصعب''[32]

"آسان طریقہ سے ابتدا کی جائے گی۔ اگر وہ غیر مفید ثابت ہو تو اگلا مرحلہ یہ ہے کہ مشکل طریقہ اختیار کیا جائے گا۔"

ابن عربی مالکی:

''ان الله سبحانه امر بالصلح قبل القتال وعین القتال عند البغی''[33]

"اللہ تعالیٰ نے قتال سے پہلے صلح کا حکم دیا ہے اور قتال کا تعین اس وقت کیا ہے جب کہ اس سے بغاوت ہو۔"

---

[31] ابو بکر جصاص، احمد بن علی، **احکام القرآن**، ۳: ۴۹۳

[32] زمخشری، جار اللہ محمود بن عمر، **الکشاف عن حقائق التنزیل**، (بیروت، لبنان: دار الکتب العربی،)، ۲۲۴۔۲۲۵

[33] ابن عربی مالکی، محمد بن عبد اللہ، **احکام القرآن**، (بیروت: در الکتاب العربیہ)، ۲: ۲۲۴

ابو عبد اللہ قرطبی لکھتے ہیں:

''فالمنكر اذا امكنت اذالته باللسان للناهي فليفعل وان لم يمكنه الابا لعقوبة او القتل فليفعل فان زال بدون القتل لم يجز القتل''[34]

"منکر کا ازالہ جب اس کے منع کرنے والے کے لیے زبان کے ذریعہ ممکن ہو تو اسی کو اختیار کرے اور اگر اس کا ازالہ سزا یا قتل ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہو تو اسے بھی اختیار کر سکتا ہے لیکن قتل کے بجائے اس سے کم تر کسی طریقہ سے ازالہ منکر ہو سکے تو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔"

طاقت کے ذریعہ اصلاح:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں طاقت کو کام میں لانے سے پہلے اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔ اس کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے بلکہ یہ اس کی شرعی ذمہ داری ہے کہ معروف کی تبلیغ کرے اور منکر کے خلاف آواز اٹھائے البتہ طاقت کے استعمال کے بارے میں اس کی اجازت شریعت نے ہر اس شخص کو دے رکھی ہے جس کے پاس طاقت ہو یا یہ صرف حکومت کا حق ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں:

''قال العلماء: الامر بالمعروف باليد على المراء وباللسان على العلماء وبالقلب على الضعفاء يعني عوام الناس''[35]

"علماء نے کہا ہے کہ امر بالمعروف کا فرض قوت کے ذریعہ انجام دینا حکام کی، زبان کے ذریعے انجام دینا علماء کی اور دل کے ذریعہ انجام دینا کمزوروں یعنی عوام کی ذمہ داری ہے۔"

علامہ قرطبی نے اس عبارت میں علماء کی جو رائے نقل کی ہے، اس میں بالکل ایک اصولی بات کہی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حکومت کے پاس طاقت ہوتی ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ قوت کے ذریعہ معروف کو قائم کرے اور منکر مٹائے۔ اسی طرح جو افراد دین کا علم رکھتے ہیں اور تبلیغ و اصلاح کا فرض انجام دے سکتے ہیں ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کو معروف پر عمل کی ترغیب دیں اور ان پر منکر کی خرابیاں واضح کریں۔ رہے وہ لوگ جو یہ کام بھی بحسن و خوبی انجام نہیں دے سکتے ان کی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ نیکی سے محبت کریں اور برائی سے خوش نہ ہوں

---

[34] قرطبی، محمد بن احمد انصاری، **الجامع لاحکام القرآن**، ۶: ۶۹

[35] ایضاً،

بلکہ دل سے اس کاناپسند کریں علماء کے مذکورہ بالا قول کامطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اگر کہیں معصیت کاارتکاب ہو رہاہو توجس شخص کے پاس اقتدار اور حکومت نہیں ہے وہ بالکل خاموش رہے اور اس کو ختم کرنے کی اپنی حد تک بھی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ اسلام یہ چاہتاہے کہ جو شخص بھی منکر کو دیکھے اسے نرمی اور محبت سے مٹانے کی کوشش کرے، لیکن اگر اس میں کامیاب نہ ہوں اور قوت سے اس کو مٹاسکتاہو تو قوت ہی سے مٹائے۔

طاقت کے استعمال کی صورتیں:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں طاقت کے استعمال کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کسی شئ منکر کو ہم مٹاناچاہیں اور اس کے خلاف طاقت کو کام میں لائیں۔ مثلاً شراب بہادی جائے یا گانے بجانے کاسامان توڑ دیاجائے۔ دوسری صورت یہ کہ طاقت کا استعمال شئ منکر کے خلاف نہیں بلکہ منکر کاارتکاب کرنے والے کے خلاف کیاجائے۔ مثلاً ایک شخص زنا کرنے جارہاہے، اسے مارپیٹ کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر اس سے بھی وہ باز نہ آئے تو اسے قتل کر دیاجائے۔

پہلی صورت کے بارے میں امام غزالی لکھتے ہیں:

''کسر الملاهی وراقة الخمور فانه تعاطی ما یعرف کونه حقامن غیر اجتهاد فلم یفتقر الی الامام''[36]

''آلات لہو ولعب کاتوڑ دینااور شراب کابہادیناتو یہ ایسی چیز ہے کہ جس کا حق ہونابغیر کسی اجتہاد کے معروف ہے تو یہ کام امام کی اجازت کامحتاج نہیں ہے۔''

تغییر منکر کرنے ولے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ منکر کو ہر اس طریقے سے مٹاوے جس سے اس کامٹاناممکن ہو خواہ وہ قول کے ذریعہ ہو یا عمل کے ذریعہ پس وہ یاتو خود ہی آلات باطل کو توڑے گااور شراب بہائے گا۔ یا کسی ایسے شخص کو حکم دے گاجو اس کام کو انجام دے۔ اسی طرح وہ غصب شدہ چیز کو چھین کر اس کے مالک کے حوالے یاتو خود ہی کرے گایااس کے حکم سے کوئی دوسرا یہ کام کرے گا۔ جب کہ یہ سب کچھ اس کے امکان میں ہو۔ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

''لا ضمان فی کسر اوانی الخمر وشق زقاقة''[37]

---

[36] غزالی، ابوحامد محمد بن محمد، **احیاء علوم الدین**، ۲: ۲۷۷

[37] عمری، سید جلال الدین، **معروف و منکر**، ۳۵۷

"شراب کے برتنوں اور اس کے مٹکوں کو توڑنے میں کوئی تاوان نہیں ہے۔"

انہوں نے شافعی اور حنبلی فقہ کی ترجمانی کی ہے۔ لیکن احناف اس مسئلے میں کافر کی ملکیت اور مسلمان کی ملکیت میں فرق کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس شئ منکر کو تلف کیا گیا ہے اس کا مالک مسلمان ہے تو یقیناً اس کا کوئی تاوان اسے نہیں دلوایا جائے گا، خواہ اس کا تلف کرنے والا کوئی کافر ہو یا مسلمان۔ کیونکہ ایک مسلمان کے نزدیک کسی ناجائز چیز کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس تلف شدہ چیز کا مالک کافر ہے تو اس کو لازماً اس کا تاوان دلوایا جائے گا قطع نظر اس سے کہ اس کا تلف کرنے والا مسلمان ہے یا کافر۔ کیونکہ اس کے نقطہ نظر سے اس کی با قیمت چیز تلف کی گئی ہے۔

مرتکب منکر کے خلاف طاقت کا استعمال:

منکر کا ارتکاب کرنے والے کے خلاف طاقت کے استعمال کے بارے میں اہل علم کا نقطہ نظر ہے کہ جب مومن اس حال میں دیکھا جائے کہ وہ جرم کا ارتکاب کر رہا ہے تو ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے جرم کے ارتکاب سے بزور روک دے اور اس کو روکنے کے لیے جو ضروری قوت درکار ہے اسے استعمال کرے خواہ جرم کی نوعیت افراد کے حقوق پر زیادتی کی ہو جیسے چوری یا جماعت کے حقوق پر زیادتی کی، جیسے شراب نوشی اور زنا۔ یہ وہ چیز ہے جسے شریعت کے عمومی دفاع کا حق کہا جاتا ہے۔

علامہ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں:

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر جن حالات میں انجام دیا جاتا ہے وہ دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ایک حالت تو یہ کہ اس میں تغیر منکر ممکن ہی نہ ہو اور دوسری حالت یہ کہ اس میں منکر کو بدلنا اور اسے دور کرنا ممکن ہو گا۔ اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو شخص اس کو اپنے ہاتھ سے دور کرنے کی طاقت رکھتا ہو اس کا فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے دور کر دے۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ منکر کا ازالہ بغیر تلوار اٹھائے اور بغیر منکر کا ارتکاب کرنے والے کو ختم کئے ناممکن ہو جائے۔ ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی یہ دیکھے کہ ایک شخص اس کے یا کسی دوسرے کے قتل کا ارادہ کر رہا ہے، یا اس کا مال چھیننا چاہتا ہے یا یہ کہ کسی عورت کے ساتھ زنا کرنے یا اسی طرح کی اور کوئی سنگین حرکت کرنے جا رہا ہے اور ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر اس کو زبان سے سمجھایا جائے یا بغیر ہتھیار کے اس کی مزاحمت کی جائے تو وہ باز نہیں آئے گا، تو لازماً اسے اس بدکار کو قتل کر ہی دینا چاہیے۔ کیوں کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو بھی شخص منکر کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، پس جب تغییر منکر کی اگر کوئی صورت سوائے اس کے نہ رہ جائے کہ منکر کا ارتکاب کرنے والے کو ختم کر دیا جائے تو

ضروری ہے کہ اسے ختم ہی کر دیا جائے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کا مال غصب کر لے تو آپ کو اجازت ہے کہ اسے قتل کر دیں اور سامان اس کے مالک کے حوالے کر دیں اسی طرح امام ابو حنیفہ نقب زن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ اس کو قتل کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ان کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارا دانت توڑنا چاہے تو تم اس کی جان لے سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم ایسے حالات میں گھر جاؤ کہ اس کے خلاف کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہ ہو۔ "[38]

یہی بات ان افراد کے بارے میں بھی ہے جو لوگوں سے غیر قانونی ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ مباح الدم ہیں اور مسلمان پر ان کا قتل کرنا واجب ہے۔ ہر فرد کو اس کی اجازت ہے کہ ان مں سے جس کسی کے قتل پر بھی وہ قادر ہو اسے قتل کر دے۔ اس کے لیے ان کو پہلے سے نہ تو سمجھانے بجھانے کی ضرورت ہے اور نہ تنبیہ کرنے کی۔ کیونکہ وہ اسے ناجائز سمجھنے کے باوجود کئے جا رہے ہیں اس لیے ان کو نصیحت کرنا بے فائدہ ہے۔ وہ کبھی اس کو قبول نہیں کریں گے۔ اسی طرح انہیں تنبیہ کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ جو شخص ان کے منکر کو ختم کرنا چاہتا ہے وہ اگر ان کو پہلے سے ڈرائے اور اپنے ارادے سے آگاہ کر دے تو وہ اس سے بچنے لگیں گے اس طرح اس کے لیے ان کے منکر کو مٹانا ناممکن ہو جائے گا۔ یہی حکم ہے ان تمام لوگوں کے بارے میں جو بڑے بڑے اور تباہ کن معاصی پر جمے ہوئے ہوں اور علی الاعلان ان کا ارتکاب کرتے ہوں۔ یعنی امکان کی حد تک ان پر نکیر کرنا اور طاقت ہو تو ان کے عمل کو روکنا واجب ہے۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

''فقاتلو التی تبغی حتی تفی الی امر اللہ''[39]

"تم ان سے لڑو یہاں تک کہ بغاوت کرنے والا فریق خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے۔"

اس میں اللہ نے باغی فریق سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم دیا ہے جب تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ نہ جائے اور اپنی بغاوت اور منکر کو چھوڑ نہ دے۔

---

[38] ابو بکر جصاص، احمد بن علی، **احکام القرآن**، ۲: ۳۷۔۳۸

[39] الحجرات ۴۹: ۹

عوام کے لیے طاقت کے استعمال کی شرائط:

قوت کے ذریعہ تغییر منکر کا حق ہر شخص کو حاصل ہے لیکن بغیر کسی شرط کے مطلق نہیں ہے بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں:

منکر کا ارتکاب ہو رہا ہو:

تغییر منکر کے لیے عام افراد قوت کا استعمال صرف اسی وقت کر سکتے ہیں جب کہ عملاً منکر کا ارتکاب ہو رہا ہو۔ اگر کسی جگہ مستقبل میں ارتکاب منکر کا خطرہ ہو تو عوام کے لیے طاقت کا استعمال صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح منکر کے وجود میں آچکنے کے بعد وہ مجرم کو نصیحت تو کر سکتے ہیں لیکن اس کے خلاف طاقت کو کام میں نہیں لا سکتے۔

امام غزالی فرماتے ہیں۔

"معصیت کے تین احوال ہیں۔ ایک تو یہ کہ معصیت واقعی ہو چکی ہو، اس پر حد جاری کرنا یا تغریر کرنا حکام کا کام ہے، عام افراد کا نہیں۔ دوسری حالت یہ کہ معصیت فی الحال موجود ہو اور اس کا ارتکاب کرنے والا اس میں ملوث ہو۔ اس حالت میں بہر طور معصیت کا مٹانا واجب ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے اس سے بڑی یا اس جیسی کوئی معصیت نہ پیدا ہو جائے۔ اس کا حق عام افراد کو حاصل ہے۔ تیسری صورت یہ کہ منکر متوقع ہو جیسے کوئی شخص مے نوشی کے لیے مجلس آراستہ کر رہا ہو لیکن ابھی وہاں شراب موجود نہ ہو۔ اس میں اس بات کا بھی امکا ہے کہ کوئی ایسی رکاوٹ پیدا ہو جائے کہ وہ شراب استعمال نہ کر سکے۔ اس حالت میں اسے صرف نصحیت کی جا سکتی ہے۔ طاقت کے استعمال کا حق نہ عوام کو ہے اور نہ حکومت کو۔ الا یہ کہ کوئی شخص عادی مجرم ہو اور وہ اسباب کی فراہمی کے بعد ارتکاب جرم کے لیے محض وقت اور موقع کے انتظار میں ہو تو اس پر سختی سے احتساب جائز ہے۔"[40]

فقہاء کی رائے میں معصیت کے ارتکاب کے وقت مسلمان کو تعزیر کا حق ہے لیکن معصیت سے فارغ ہونے کے بعد سوائے حاکم کے کسی کو یہ حق نہیں ہے۔ گناہ کا ارتکاب کرنیوانے کی تعزیر اگر کوئی شخص اس وقت کرے جب کہ وہ اس میں مشغول ہے تو اس کا اسے حق ہے بلکہ یہ پسندیدہ ہے۔ کیوں کہ یہ نہی عن المنکر ہے، جس کا ہر ایک کو حکم ہے۔ باقی رہا گناہ سے فارغ ہونے کے بعد تو اس وقت منکر سے منع نہیں کیا جاتا۔ کیوں کہ جو چیز گزر چکی اس سے

---

[40] غزالی، **احیاء علوم الدین**، ۲: ۲۸۴

روکنے کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا یہ خالص تعزیر ہو گی جو امام سے متعلق ہو گی۔ کسی شخص کے ارتکاب منکر کے بعد اس کے خلاف طاقت کا استعمال قابل مواخذہ جرم ہے۔

''للمحتسب ان یعزر المعزران عزرہ بعد الفراغ منہا''[41]

"حکومت کی طرف سے جو شخص احتساب پر مامور ہے اسے یہ حق ہے کہ تعزیر کرنے والے کو سزا دے اگر وہ کسی شخص کے معصیت سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تعزیر کرے۔"

ایک مثال کے ذریعہ کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پر حملہ کرے اور وہ اپنی جان کے تحفظ میں یا کوئی دوسرا شخص اس کی مدافعت میں حملہ آور کو قتل کر دے تو شریعت ان میں سے کسی سے مواخذہ نہیں کرے گی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تغییر منکر کے لیے قوت کا استعمال اس وقت جائز ہے جب کہ منکر کا ارتکاب ہو رہا ہو۔ اب ایک دوسری صورت فرض کیجئے۔ وہ یہ کہ حملہ آور حملہ کے بعد اس طرح پلٹ جاتا ہے کہ بظاہر اس کا ارادہ دوبارہ حملہ کا نہیں ہے۔ اس حالت میں اگر حملہ آور کو قتل کر دیا جائے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ یہ اس دعویٰ کا ثبوت ہے کہ ارتکاب منکر کے بعد طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔

طاقت کے استعمال کی حدود:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے عام افراد بالکل ناگزیر حد تک طاقت کا استعمال کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کی انہیں اجازت نہیں ہے۔ امام غزالیؒ تغییر بالید کا ایک ادب یہ بیان کرتے ہیں:

''ان یقتصی فی طریق التغییر علی القدر المحتاج''[42]

"تغییر منکر کے طریقے میں اسی مقدار پر اکتفا کرے جس کا وہ محتاج ہے۔"

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی کی زمین پر غاصبانہ قبضہ جمائے بیٹھا ہے اور اسے ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکالا جا سکتا ہے تو ڈاڑھی یا ٹانگ پکڑ کر گھسیٹنا صحیح نہیں ہے۔ ضرورت سے زیادہ طاقت کا استعمال ایک جرم ہے جس پر شریعت کی طرف سے احتساب ہو گا۔ اگر کوئی شخص شراب کے بہانے کے لیے اس کا ظرف توڑ دے تو اسے تاوان ادا کرنا ہو گا۔

---

[41] عمری، سید جلال الدین، **معروف و منکر**، ۳۶۵

[42] غزالی، **احیاء علوم الدین**، ۲: ۲۸۸

کیونکہ شراب کے بہانے کے لیے ظرف کا توڑنا ضروری نہیں ہے۔ اگر شراب کا برتن توڑے بغیر اس کا بہانا ممکن نہ ہو تو اس شکست وریخت کی بھی اجازت ہے۔

اسی طرح اگر چور کسی مکان میں گھس جائے، اور صاحب مکان یہ جانتے ہوئے کہ چیخ پکار سے وہ بھاگ کھڑا ہو گا اسے قتل کر دے تو اس پر قصاص واجب ہو گا لیکن اگر اسے یقین ہو کہ وہ چیخ پکار سے نہیں بھاگے گا تو اسے قتل کر سکتا ہے۔

امام غزالیؒ نے اسے سلسلے میں اصولی بات یہ فرمائی ہے:

''لیس الی احادالرعیة الا الدفع وھوا اعدام المنکر فما زاد عالی قدرالاعدام فھو اما عقوبة علی جریمة سابقة اوزجر عن لا حق وذالك الی الولاۃ لا الی الرعیة''[43]

''عام رعایا کو صرف منکر کے مٹانے کا حق ہے یا جو چیز اس سے زیادہ ہو وہ یا تو کسی سابق جرم کی سزا ہو گی یا ہونے والے جرم پر زجر۔ توبیخ ہو گی۔ اس کا حق حکام کو ہے رعایا کو نہیں۔''

فتنہ کا خطرہ:

قوت کے ذریعہ معروف کا قائم کرنا اور منکر کا مٹانا اسی وقت صحیح ہو گا جب کہ اس سے فی الواقع منکر کے مٹنے اور معروف کے قائم ہونے کی توقع ہو اور ساتھ ہی کسی فتنہ کے پیدا ہونے کا خطرہ بھی نہ ہو عام حالات میں تغییر منکر کے لیے قوت کے تھوڑے بہت استعمال سے فتنہ و فساد کو کوئی خاص خطرہ نہیں ہوتا لیکن اس مقصد کے لیے ہتھیار اٹھانے میں ضرور اس کا خطرہ ہے۔ اسی وجہ سے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عام افراد کو اس کا تو حق ہے کہ منکر کا ارتکاب کرنے والے کو وقتِ ضرورت زدو کوب کریں لیکن اس کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت اسی وقت ہو گی، جب کہ اسے فتنہ کے پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ امام غزالیؒ نے احتساب کے آٹھ درجات بیان کئے ہیں، ان میں سے ساتویں درجہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''الدرجة السابعة مباشرۃ الضرب بالید والرجل وغیر ذالك مما لیس فیه شھر سلاح وذالك جائز للاحاد وبشرط الضرورۃ والاقتصار علی قدر الحاجة فی الدفع فاذا اندفع المنکر فینبغی

[43] عمری، سید جلال الدین، **معروف ومنکر**، ۲۹۱

ان یکف فان احتاج الی شھر سلاح و کان یقدر علی دفع المنکر بشھر السلاح و بالجرح فلہ ان یتعاطی ذالك مالم تثر فتنه"[44]

"ساتواں درجہ احتساب کا یہ ہے کہ منکر کا ارتکاب کرنے والے کو ہاتھ اور پیر سے مارا جائے یا کوئی ایسی سزا دی جائے جس میں ہتھیار کا استعمال نہ ہو۔ یہ عام افراد کے لیے جائز ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ ضرورت کے وقت یہ اقدام کیا جائے اور منکر کو دفع کرنے کے لیے جس قدر اقدام کی حاجت ہے اسی پر اکتفا کیا جائے۔ جب منکر دفع ہو جائے تو رک جانا چاہیے۔ اگر احتساب کرنے والا ہتھیار نکالنے کی ضرورت محسوس کرے اور وہ اس کو استعمال کر کے اور منکر کا ارتکاب کرنے والے کو زخمی کر کے منکر کو دفع کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس پر عمل کی اس کو اجازت ہے۔ بشرطیکہ اس سے کوئی فتنہ نہ پیدا ہو۔"

منکر کا ارتکاب کرنے والے فرد کے خلاف اسلامی ریاست کو کوئی شہری قوت کا استعمال کر سکتا ہے یا نہیں اس کے بعد اگر منکر کا ارتکاب کوئی جماعت کر رہی ہو یا کوئی ایسا شخص کر رہا ہو جس کا مقابلہ تنہا کوئی فرد نہ کر سکے تو کیا وہ اپنے ہم خیال لوگوں جو جمع کر کے اس کے منکر کو مٹانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرح کے کسی اقدام میں جہاں منکر کے مٹنے اور معروف کے قائم ہونے کا امکان ہے وہاں فتنہ وفساد کا زبردست خطرہ بھی ہے۔

تغییر منکر کے لیے انسان کو اپنے اعوان و انصار کو جمع کرنے اور جنگ کرنے کی ضرورت کم ہی پڑ سکتی ہے۔ لیکن اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے اعوان و انصار کے ساتھ منکر کو مٹانے کے لیے جنگ بھی کر سکتا ہے انہوں نے احتساب کے جو آٹھ درجات بیان کئے ہیں ان میں آٹھواں اور سب سے آخری درجہ یہ ہے کہ آدمی تغییر منکر پر خود قادر نہ ہو اور اس کے لیے ایسے معاونین کا محتاج ہو جو ہتھیار استعمال کر سکتے ہوں اس صورت میں جس فاسق سے مقابلہ ہے، بسا اوقات وہ بھی اپنے اعوان و انصار سے مدد طلب کر سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دونوں گروہ صف آرا ہو جائیں اور ایک دوسرے سے جنگ کریں۔ اس صورت میں امام کی اجازت کی ضرورت ہے کہ عام افراد سے اس کو اپنے طور پر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس سے فتنوں کو حرکت ہو گی، فساد پھیلے گا اور ملک برباد ہو گا۔

تغیر منکر کے لیے اگر ایک فرد دوسرے فرد کے خلاف قوت کا استعمال کرتا ہے تو اس میں فتنا کا اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا کہ ایک جماعت کے دوسری جماعت کے خلاف ہتھیار اٹھانے میں ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ افراد

---

[44] ایضاً، ۲۹۲

کے معاملے میں فتنہ و فساد کا خطرہ اگر ایک درجہ کا ہے تو جماعتوں کے معاملے میں یہ بڑھ کر سو درجہ کا ہو جاتا ہے۔ اس لیے جماعتوں کو بعینہ افراد پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں بلاشبہ افراد کو وقت ضرورت کسی کی جان لینے کی بھی اجازت ہے لیکن یہ اجازت بہت ہی ناگزیر حالات میں دی گئی ہے۔ ورنہ عام حالات میں تو علماء نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ اس کام میں جہاں جنگ اور قتل کی نوبت آئے وہاں اسے حکومت کے حوالے کر دینا چاہئے۔ علماء کی تصریحات اس طرح ہیں اگر کوئی فرد تغییر منکر کے لیے ہتھیار اٹھائے تو ابن عربی مالکی اس کی مخالفت کرتے ہیں الآیہ کہ منکر کی نوعیت ایسی ہو کہ اس کے خلاف ہتھیار اٹھانا ضروری ہو جائے۔ اور نہ اٹھانے میں کسی بڑے منکر کے وجود میں آنے کا خطرہ ہو۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی کی جان لینے کے درپے ہو تو اس کو بچانے کے لیے ظالم کا مقابلہ کیا جائے۔ اس طرح کے مخصوص حالات سے ہٹ کہ عام حالات میں ان کا فتویٰ یہ ہے کہ:

''فان لم یقدر الا بمقاتلة وسلاح فلیترکه وذالك انما هو الی السلطان لان شهر السلاح بین الناس قد یکون مخرجا لك الفتنة وایلا الی فساد اکثر من الامربالمعروف ونهی عن المنکر''[45]

''اگر کوئی شخص تغییر منکر پر سوائے اسکے کسی دوسری صورت سے قادر نہ ہو کہ، جنگ کرے اور ہتھیار اٹھائے تو اس کو چھوڑ دے کیونکہ یہ اس کا کام نہیں بلکہ حاکم کا کام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لوگوں کے درمیان ہتھیار کا نکل آنا بعض اوقات فتنے کا سبب بن جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایسا فساد پیدا ہوتا ہے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فائدے کے مقابلے میں بہت بڑا ہوتا ہے۔

نتائج تحقیق:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں جب افراد کے لیے بھی ہتھیار اٹھانے کی مخالفت کی گئی ہے تو جماعتوں کے لیے اس کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔ ہاں جس طرح ناگزیر حالات میں افراد کو قوت کے ذریعہ تغییر منکر کا حق ہے اسی طرح یہ حق جماعتوں کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکوؤں کا کوئی گروہ کسی گاؤں پر حملہ کر دے تو

[45] ابن عربی مالکی، **احکام القرآن**، ۲: ۱۲۲

اس گاؤں کے سب ہی لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کا مقابلہ کریں اور بگانے کی کوشش کریں۔ منکر کا ارتکاب کرنے والے کسی گروہ کے خلاف کوئی جماعت اس وقت ہتھیار اٹھا سکتی ہے جب کہ وہ:

۱۔ اس کام کو حکومت کے حوالے کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو۔

۲۔ اس سے کسی فتنہ وفساد اور امن وامان کے بگڑنے کا اندیشہ نہ ہو

۳۔ ہتھیار نہ اٹھانے میں کسی بڑے منکر کے وجود میں آنے کا ڈر ہو۔

الغرض، نہی عن المنکر، قرآن وسنت کی رو سے نہایت اہم فریضہ ہے۔ کیونکہ اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں اجتماعی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ مگر اس کی ادائیگی میں ضروری ہے کہ موقع و محل اور تغییر منکر کے ذرائع کا استعمال شریعت اسلامیہ کی دی گئی ہدایت کے مطابق ہو۔ اسی لیے منکر کی روک تھام کے لیے حدیث میں مدارج بیان ہوئے ہیں۔ شرعی اصول وضوابط کی روشنی میں نہی عن المنکر سے عہد حاضر میں پیدا ہونے والے انتہا پسندانہ نظریات کی بیخ کنی کی جاسکتی ہے۔